سود کے بارے میں قرآنی آیات کی تفسیر

عبدالرحمن کیلانی

محدث میگزین

(غیر مطبوعہ تفسیر تیسیر القرآن سے انتخاب)

مولانا کیلانیؒ محدث کے مستقل لکھنے والوں میں سے تھے۔ ۱۸؍دسمبر ۱۹۹۵ء کو عشاء کی نماز میں عین سجدہ کی حالت میں آپ کی وفات سے محدث میں آپ کے قیمتی تحقیقی مضامین کی اشاعت کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اللہم اغفر لہ وارحمہ!

آپ کی مایہ ناز کتاب "تجارت اور لین دین کے احکام و مسائل" میں بڑی تفصیل سے دورِ حاضر کے معاشی مسائل پر تحقیقی اسلوب میں اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے جس میں دو مکمل اَبواب سود اور اس کی مختلف اقسام کے لئے مخصوص ہیں۔ محدث کے سود نمبر نکالنے کا جب فیصلہ ہوا تو اقتصادِ اسلامی پر مولانا کیلانیؒ کا کوئی اہم مقالہ شائع کرنے کا پروگرام بنا لیکن اس میں محدث کی مطبوعہ مضامین کی اشاعت سے گریز کی پالیسی آڑے آ رہی تھی۔ حسن اتفاق سے آپ کی ۴ جلدوں پر مشتمل تفسیر تیسیر القرآن (جو ان دنوں اشاعت کے آخری مراحل میں ہے) میں آیاتِ سود کی مفصل تفسیر کو دیکھنے کا موقع ملا۔ جس میں آپ نے بڑے اختصار سے اپنی کتاب میں سود پر پیش کردہ بحث کو سمیٹا ہے۔ ذیل میں اسی تفسیر سے سود کے بارے میں آیاتِ قرآنی کی تفسیر شائع کی جا رہی ہے... (حسن مدنی)

سورۃ البقرۃ (1):

﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٤﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

فَمَن جَاءَهُ مَوعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمرُهُ إِلَى اللَّهِ ۝ وَمَن عَادَ فَأُولٰئِكَ أَصحٰبُ النَّارِ ۝ هُم فِيهَا خٰلِدُونَ ۝

يَمحَقُ اللَّهُ الرِّبٰوا وَيُربِي الصَّدَقٰتِ ۝ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَقَامُوا

الصَّلٰوةَ وَءَاتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُم أَجرُهُم عِندَ رَبِّهِم وَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ ۝ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ

الرِّبٰوا إِن كُنتُم مُّؤمِنِينَ ۝ فَإِن لَّم تَفعَلُوا فَأذَنُوا بِحَربٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبتُم فَلَكُم رُءُوسُ أَموٰلِكُم لَا تَظلِمُونَ وَلَا تُظلَمُونَ ۝

وَإِن كَانَ ذُو عُسرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيسَرَةٍ ۝ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيرٌ لَّكُم إِن كُنتُم تَعلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا يَومًا تُرجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۝

ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفسٍ مَّا كَسَبَت وَهُم لَا يُظلَمُونَ ۝ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكتُبُوهُ ۝ وَليَكتُب بَّينَكُم

كَاتِبٌ بِالعَدلِ ۝ وَلَا يَأبَ كَاتِبٌ أَن يَكتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۝ فَليَكتُب وَليُملِلِ الَّذِي عَلَيهِ الحَقُّ وَليَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبخَس مِنهُ شَيـًٔا ۝ فَإِن

كَانَ الَّذِي عَلَيهِ الحَقُّ سَفِيهًا أَو ضَعِيفًا أَو لَا يَستَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَليُملِل وَلِيُّهُ بِالعَدلِ ۝ وَاستَشهِدُوا شَهِيدَينِ مِن رِّجَالِكُم ۝ فَإِن لَّم يَكُونَا

رَجُلَينِ فَرَجُلٌ وَامرَأَتَانِ مِمَّن تَرضَونَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحدَىٰهُمَا الأُخرَىٰ ۝ وَلَا يَأبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۝ وَلَا

تَسـَٔمُوا أَن تَكتُبُوهُ صَغِيرًا أَو كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۝ ذٰلِكُم أَقسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقوَمُ لِلشَّهٰدَةِ وَأَدنَىٰ أَلَّا تَرتَابُوا ۝ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجٰرَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا

بَينَكُم فَلَيسَ عَلَيكُم جُنَاحٌ أَلَّا تَكتُبُوهَا ۝ وَأَشهِدُوا إِذَا تَبَايَعتُم ۝ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۝ وَإِن تَفعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُم ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝

وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۝ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِن كُنتُم عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَم تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقبُوضَةٌ ۝ فَإِن أَمِنَ بَعضُكُم بَعضًا فَليُؤَدِّ الَّذِي

اؤتُمِنَ أَمٰنَتَهُ وَليَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۝ وَلَا تَكتُمُوا الشَّهٰدَةَ ۝ وَمَن يَكتُمهَا فَإِنَّهُ ءَاثِمٌ قَلبُهُ ۝ وَاللَّهُ بِمَا تَعمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ لِلَّهِ مَا فِي

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الأَرضِ ۝ وَإِن تُبدُوا مَا فِي أَنفُسِكُم أَو تُخفُوهُ يُحَاسِبكُم بِهِ اللَّهُ ۝ فَيَغفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۝ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيءٍ

قَدِيرٌ ۝ .... سورة البقرة

ترجمه

جو لوگ دن رات، کھلے اور چھپے اپنے مال[۳۹۱] خرچ کرتے ہیں۔ انہیں اپنے پروردگار سے اس کا اَجر ضرور مل جائے گا۔ ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۷۴) (ان لوگوں کے برعکس) جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ وہ یوں کھڑے ہوں گے۔ جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھو کر اُسے مخبوطُ الحواس بنا دیا ہو۔ اس کی وجہ ان کا یہ قول (نظریہ) ہے کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی کی طرح ہے۔[۳۹۲] حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔[۳۹۳] اب جس شخص کو اس کے پروردگار سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ سود سے رک گیا تو پہلے جو سود وہ کھا چکا، سو کھا چکا،[۳۹۴] اس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔ مگر جو پھر بھی سود کھائے تو یہی لوگ اہل دوزخ ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے (۲۷۵) اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کی پرورش[۳۹۵] کرتا ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے[۳۹۶] بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا (۲۷۶) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے،[۳۹۷] نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۷۷) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر واقعی تم مؤمن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو (۲۷۸) اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے[۳۹۸] اور اگر (سود سے) توبہ کر لو تو تم اپنے اصل سرمایہ کے حقدار ہو۔[۳۹۹] نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے (۲۷۹) اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اُسے اس کی آسودہ حالی تک مہلت دینا چاہیے۔ اور اگر (راس المال بھی) چھوڑ ہی دو تو یہ تمہارے[۴۰۰] لیے بہت بہتر ہے۔ اگر تم یہ بات سمجھ سکو (۲۸۰) اور اس دن سے ڈر جاؤ جب تم اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہاں ہر شخص کو اس کے اَعمال کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا (۲۸۱) اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے اُدھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔[۴۰۱] اور لکھنے والا فریقین کے درمیان عدل و انصاف سے تحریر کرے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ نے لکھنے کی قابلیت بخشی ہو اُسے لکھنے سے انکار[۴۰۲] نہ کرنا چاہئے۔ اور تحریر وہ شخص کروائے جس کے ذمہ قرض ہے۔[۴۰۳] وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور لکھوانے میں کسی چیز کی کمی نہ کرے (کوئی شق چھوڑ نہ جائے) ہاں اگر قرض لینے والا نادان ہو یا ضعیف ہو یا لکھوانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو پھر اس کا وَلی انصاف کے ساتھ اِملا کروا دے۔ اور اس معاملہ پر اپنے (مسلمان) مردوں میں سے[۴۰۴] دو گواہ بنا لو۔ اور اگر دو مرد میسر نہ آئیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بناؤ کہ ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد[۴۰۵] دلا دے۔ اور گواہ ایسے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمہارے ہاں مقبول ہو۔ اور گواہوں کو جب (گواہ بننے یا) گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو انہیں انکار نہ کرنا[۴۰۶] چاہیے اور معاملہ

خواہ چھوٹا ہو یا بڑا مدت کی تعیین کے ساتھ اسے لکھوا لینے میں کاہلی نہ کرو[۴۰۷] تمہارا یہی طریق کار اللہ کے ہاں بہت منصفانہ ہے جس سے شہادت ٹھیک طرح قائم ہو سکتی ہے اور تمہارے شک وشبہ میں پڑنے کا اِمکان بھی کم رہ جاتا ہے۔ہاں جو تجارتی لین دین تم آپس میں دست بدست کر لیتے ہو،اسے نہ بھی لکھو تو کوئی حرج نہیں۔اور جب تم سودا بازی کرو تو گواہ بنالیا کرو[۴۰۸] نیز کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے[۴۰۹] اور اگر ایسا کروگے تو گناہ کا کام کروگے اور اللہ سے ڈرتے رہو،اللہ ہی تمہیں یہ احکام وہدایات سکھلاتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے(۲۸۲)اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے کو کوئی کاتب نہ مل سکے تو رہن باقبضہ[۴۱۰](پر معاملہ کرلو)اور اگر کوئی شخص دوسرے پر اعتماد کرے(اور رہن کا مطالبہ نہ کرے)تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے قرض خواہ کی امانت[۴۱۱] ادا کرنا چاہئے۔اور اپنے پروردگار سے ڈرنا چاہیے۔اور شہادت کو ہر گز نہ چھپاؤ۔جو شخص شہادت کو چھپاتا ہے بلاشبہ اس کا دل گنہ گار ہے[۴۱۲] اور جو کام بھی تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے(۲۸۳)جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے[۴۱۳] سب اللہ ہی کا ہے۔اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو،اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۲۸۴)

(391) یہ آیت دراصل صدقات وخیرات کے احکام کا تتمہ ہے۔یعنی آخر میں ایک دفعہ پھر صدقہ کی ترغیب دی جارہی ہے۔اب اس کی عین ضد سود کا بیان شروع ہو رہا ہے... صدقات وخیرات سے جہاں آپس میں ہمدردی، مروّت،اُخوت،فیاضی پیدا ہوتی ہے وہاں طبقاتی تقسیم بھی کم ہوتی ہے۔اس کے برعکس سود سے شقاوتِ قلبی،خود غرضی، منافرت،بے مروّتی اور بخل جیسے اخلاقِ رذیلہ پرورش پاتے ہیں اور طبقاتی تقسیم بڑھتی چلی جاتی ہے جو بالآخر کسی نہ کسی عظیم فتنہ کا باعث بن جاتی ہے۔اشتراکیت دراصل ایسے ہی فتنہ کی پیداوار ہے۔

(392) یہ دراصل سود خور یہودیوں کا قول ہے اور آج کل بہت سے مسلمان بھی اسی نظریہ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔سودی قرضے دراصل دو طرح کے ہوتے ہیں :

(1) ذاتی قرضے یامہاجنی قرضے یعنی وہ قرضے جو کوئی شخص اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کسی مہاجن یابنک سے لیتاہے،(2)اور دوسرے تجارتی قرضے جو تاجر یاصنعت کار اپنی کاروباری اغراض کے لئے بنکوں سے سود پر لیتے ہیں۔اب جو مسلمان سود کے جواز کی نمائندگی کرتے ہیں،وہ یہ کہتے ہیں کہ جس سود کو قرآن نے حرام کیاہے وہ ذاتی یامہاجنی قرضے ہیں جن کی شرح سود بڑی ظالمانہ ہوتی ہےاور جو تجارتی سود ہے وہ حرام نہیں۔کیونکہ اس دور میں ایسے تجارتی سودی قرضوں کارواج ہی نہ تھا۔نیزایسے قرضے چونکہ رضا مندی سے لئے دیئے جاتے ہیں اوران کی شرحِ سود بھی گوارااور مناسب ہوتی ہےاور فریقین میں سے کسی پر ظلم بھی نہیں ہوتا،لہٰذا یہ تجارتی سوداس سود سے مستثنیٰ ہے جنہیں قرآن نے حرام قرار دیاہے۔

یہاں ہم مجوزین تجارتی سود کے تمام دلائل بیان کرنےاوران کے جوابات دینے سے قاصر ہیں۔(جس کو تفصیلات درکار ہوں وہ میری تصنیف "تجارت اورلین دین کے مسائل وآحکام" میں سود سے متعلق دوآبواب ملاحظہ کر سکتاہے)لہٰذاچند مختصر دلائل پر ہی اکتفاکریں گے:

1- دورِ نبویﷺ میں تجارتی سود موجود تھےاور سود کی حرمت سے پیشتر صحابہ میں سے حضرت عباسؓاور خالد بن ولیدؓایسے ہی تجارتی سود کاکاروبار کرتے تھے۔اس دور میں عرب اور بالخصوص مکہ اور مدینہ میں لاکھوں کی تجارت ہواکرتی تھی۔علاوہ ازیں ہمسایہ ممالک میں تجارتی سود کارواج عام تھا۔

2- قرآن میں ربواکالفظ علیٰ الاطلاق استعمال ہواہے جوذاتی اور تجارتی دونوں قسم کے قرضوں کوحاوی ہے۔لہٰذا تجارتی سود کواس علیٰ الاطلاق حرمت سے خارج نہیں کیاجاسکتا۔(دیکھئے میری تصنیف مترادفات القرآن: ص)

3- قرآن نے تجارتی قرضوں کے مقابل یہ آیت پیش کی ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ "اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام" جبکہ ذاتی قرضوں کے مقابل یوں فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ "اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے سود کے خاتمہ کے لئے ذاتی قرضوں کا حل "صدقات" تجویز فرمایا ہے اور تجارتی قرضوں کے لئے شراکت اور مضاربت کی راہ دکھلائی ہے جو حلال اور جائز ہے۔

4- جہاں تک کم یا مناسب شرحِ سود کا تعلق ہے تو یہ بات آج تک طے نہیں ہو سکی کہ مناسب شرحِ سود کیا ہے؟ کبھی تو ۲ فیصد بھی نامناسب شرح سمجھی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جنگ عظیم کے لگ بھگ زمانے میں ریزرو بنک آف انڈیا ڈسکاؤنٹ ریٹ مقرر ہوا اور کبھی ۲۹ فیصد شرحِ سود بھی مناسب اور معقول سمجھی جاتی ہے (دیکھئے: اشتہار انوسٹمنٹ بنک مشتہرہ نوائے وقت مؤرخہ ۱۱ اگست ۱۹۷۷ئ) شرحِ سود کی مناسب تعیین نہ ہو سکنے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی متزلزل اور کمزور ہے۔ مناسب اور معقول شرح سود کی تعیین تو صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والا اس سے کتنا یقینی فائدہ حاصل کرے گا اور اس میں سے قرض دینے والے کا معقول حصہ کتنا ہونا چاہئے۔ مگر ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والے کو اس مقرر مدت میں کتنا فائدہ ہوگا، یا کچھ فائدہ ہوگا بھی یا نہیں بلکہ الٹا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ ثانیاً ایک ہی ملک اور ایک ہی وقت میں مختلف بنکوں کی شرحِ سود میں انتہائی تفاوت پایا جاتا ہے اور اگر سب کچھ مناسب ہے تو پھر نامناسب کیا بات ہے؟ ثالثاً اگر شرحِ سود انتہائی کم بھی ہو تو بھی یہ سود کو حلال نہیں بنا سکتی کیونکہ شریعت کا یہ اُصول ہے کہ حرام چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہی ہوتی ہے۔ (شراب تھوڑی بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے زیادہ مقدار میں (ترمذي: أبواب الأشربة، باب ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام

5- جہاں تک باہمی رضامندی کا تعلق ہے تو یہ شرط صرف حلال معاملات میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حلال اور جائز معاملات میں بھی اگر فریقین میں سے کوئی ایک راضی نہ ہو تو وہ معاملہ حرام اور ناجائز ہوگا۔ جیسے تجارت میں مال بیچنے والے اور خریدنے والے

دونوں کی رضامندی ضروری ہے ورنہ بیع فاسد اور ناجائز ہو گی۔ اسی طرح نکاح میں بھی فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ لیکن یہ رضامندی حرام کاموں کو حلال نہیں بنا سکتی۔ اگر ایک مرد اور ایک عورت باہمی رضامندی سے زنا کریں تو وہ جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی باہمی رضامندی سے جوا جائز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سود بھی باہمی رضامندی سے حلال اور جائز نہیں بن سکتا۔

علاوہ ازیں سود لینے والا کبھی سود دینے پر رضامند نہیں ہوتا۔ خواہ شرحِ سود کتنی ہی کم کیوں نہ ہو بلکہ یہ اس کی مجبوری ہوتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اسے کہیں سے قرضِ حسنہ مل جائے تو وہ کبھی سود پر رقم لینے کو تیار نہ ہو۔

6- رہی یہ بات کہ تجارتی سود میں کسی فریق پر ظلم نہیں ہوتا۔ گویا یہ حضرات سود کی حرمت کی علت یا بنیادی سبب ظلم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تصور ہی غلط ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہ الفاظ سودی معاملات اور معاہدات کو ختم کرنے کی ایک اَحسن صورت پیش کرتے ہیں یعنی نہ تو مقروض قرض خواہ کی اصل رقم بھی دبا کر اس پر ظلم کرے اور نہ قرض خواہ مقروض پر اَصل کے علاوہ سود کا بوجھ بھی لاد دے۔ ان الفاظ کا اِطلاق ہمارے ہاں اس وقت ہو گا جب ہم اپنے معاشرہ کو سود سے کلیتاً پاک کرنا چاہیں گے، یا نجی طور پر قرضہ کے فریقین سود کی لعنت سے اپنے آپ کو بچانے پر آمادہ ہوں گے۔ سود کی حرمت کا بنیادی سبب ظلم نہیں بلکہ بیٹھے بٹھائے اپنے مال میں اضافہ کی وہ ہوس ہے جس سے ایک سرمایہ دار اپنی فاضل دولت میں طے شدہ منافع کی ضمانت سے یقینی اضافہ چاہتا ہے اور جس سے زر پرستی، سنگ دلی اور بخل جیسے اخلاقِ رذیلہ جنم لیتے ہیں

اب ایک مسلمان کا کام تو یہی ہونا چاہئے کہ جب اللہ نے سود کو حرام کر دیا تو اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ (393) خواہ اسے سود اور تجارت کا فرق اور ان کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے تاہم جو لوگ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے۔ اللہ نے انہیں انتہائی بدھو اور مخبوط الحواس قرار دیا ہے۔ جنہیں کسی جن نے آسیب زدہ بنا دیا ہو اور وہ اپنی خود غرضی اور زر

پرستی کی ہوس میں خبطی ہو گئے ہوں کہ انہیں تجارت اور سود کا فرق نظر ہی نہیں آرہا۔ چونکہ وہ اس زندگی میں باؤلے ہو رہے ہیں، لہٰذا وہ قیامت کے دن بھی اسی حالت میں اپنی قبروں سے اُٹھیں گے۔ اب ہم ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے سود اور تجارت کا فرق بتلاتے ہیں :

1- سود ایک طے شدہ شرح کے مطابق یقینی منافع ہوتا ہے جبکہ تجارت میں منافع کے ساتھ نقصان کا احتمال بھی موجود ہوتا ہے۔ خواہ کوئی شخص اپنے ذاتی سرمایہ سے تجارت کرے یا یہ مضاربت یا شراکت کی شکل ہو۔

2- مضاربت کی شکل میں فریقین کو ایک دوسرے سے ہمدردی، مروّت اور مل جل کر کاروبار چلانے کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا مفاد مشترک ہوتا ہے اور اس کا قومی پیداوار پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ جبکہ تجارتی سود کی صورت میں سود خوار کو محض اپنے مفاد سے غرض ہوتی ہے۔ بعض دفعہ وہ ایسے نازک وقت میں سرمایہ کی واپسی کا تقاضا کرتا اور مزید فراہمی سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے جبکہ کاروبار کو سرمایہ کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح سود خوار تو اپنا سرمایہ بمعہ سود نکال دیتا ہے مگر مقروض کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور قومی معیشت بھی سخت متاثر ہوتی ہے۔

3- مضاربت اور سود میں تیسرا فرق یہ ہے کہ مضاربت سے اخلاقِ حسنہ پرورش پاتے ہیں۔ جس سے معاشرہ میں اُخوت اور خیر و برکت پیدا ہوتی ہے اور طبقاتی تقسیم مٹتی ہے۔ جبکہ سود سے اخلاقِ رذیلہ مثلاً خود غرضی، مفاد پرستی، بخل اور سنگدلی پیدا ہوتے ہیں۔ سود کی حرمت کی علت یہی اخلاقِ رذیلہ اور ہوسِ زر پرستی ہے۔ سودی نظام معیشت نے صرف ایک ہی شائی لاک (ایک سنگ دل یہودی کا مثالی کردار جس نے بروقت ادائیگی نہ ہونے کی بناپر اپنے مقروض کی ران سے بے دریغ گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا تھا) پیدا نہیں کیا بلکہ ہر دور میں ہزاروں شائی لاک پیدا ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

(394) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو سود کھاچکا وہ معاف ہے بلکہ یوں فرمایا کہ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو بخش دے، چاہے تو سزا دے۔ لہٰذا محتاط صورت یہی ہے کہ وہ سود کی حرام کمائی خود استعمال نہ کرے بلکہ جس سے سود لیا تھا، اسے ہی واپس کر دے تو یہ سب سے بہتر بات ہے ورنہ محتاجوں کو دے دے یا رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کر دے۔ اس طرح وہ سود کے گناہ سے تو شاید بچ جائے مگر ثواب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حرام مال کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔

(395) اگرچہ بنظر ظاہر سود لینے سے مال بڑھتا اور صدقہ دینے سے گھٹتا نظر آتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور مالِ حرام بود بجائے حرام رفت، والی بات بن جاتی ہے اور صدقات دینے سے اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے جس کا اسے خود بھی وہم و گمان نہیں ہوتا اور یہ ایسی حقیقت ہے جو بارہا کئی لوگوں کے تجربہ میں آچکی ہے تاہم اسے عقلی دلائل سے ثابت کیا جاسکتا ہے اور دوسری صورت کو علم معیشت کی رُو سے ثابت بھی کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے جس معاشرہ میں صدقات کا نظام رائج ہوتا ہے اس میں غریب طبقہ (جو عموماً ہر معاشرہ میں زیادہ ہوتا ہے) کی قوتِ خرید بڑھتی ہے اور دولت کی گردش کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے جس سے خوشحالی پیدا ہوتی ہے اور قومی معیشت ترقی کرتی ہے اور جس معاشرہ میں سود رائج ہوتا ہے وہاں غریب طبقہ کی قوتِ خرید کم ہوتی ہے اور جس امیر طبقہ کی طرف دولت کو سود کھینچ کھینچ کر لے جا رہا ہوتا ہے۔ اس کی تعداد قلیل ہونے کی وجہ سے دولت کی گردش کی رفتار نہایت سست ہو جاتی ہے جس سے معاشی بحران پیدا ہوتے رہتے ہیں، امیر اور غریب میں طبقاتی تقسیم بڑھ جاتی ہے اور بعض دفعہ غریب طبقہ تنگ آکر امیروں کو لوٹنا اور مارنا شروع کر دیتا ہے، آقا و مزدور میں، امیر اور غریب میں ہر وقت کشیدگی کی فضا قائم رہتی ہے جس سے کئی قسم کے مہلک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

(396) یہاں ناشکرے سے مراد وہ سود خور ہے جس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد رقم موجود ہے جسے وہ اپنے کسی محتاج بھائی کی مدد کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، نہ اسے صدقہ دینا چاہتا ہے، نہ قرضِ حسنہ دیتا ہے بلکہ اُلٹا اس سے اس کے گاڑھے پسینے کی کمائی سود کے

ذریعہ کھینچنا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ زائد روپیہ اس پر محض اللہ کا فضل تھا اور صدقہ یا قرض دے کر اسے اللہ کے اس فضل کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا مگر اس نے زائد رقم کو سود پر چڑھا کر اللہ کے فضل کی انتہائی ناشکری کی۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر بد عملی اور گناہ کی بات اور کیا ہو گی۔

(397) یہ آیت درمیان میں اس لئے آئی ہے کہ سود خور کے مقابلہ میں متقی لوگوں کا حال بیان کر دیا جائے جیسا کہ قرآنِ کریم میں جابجا یہی دستور آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جہاں اہل دوزخ کا ذکر آیا تو ساتھ اہل جنت کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے اور اس کے برعکس بھی۔ اس کے بعد سود کے مضمون کا تسلسل جاری رکھا گیا ہے۔ اس مقام پر بھی مؤمنوں کی دو انتہائی اہم صفات کا ذکر فرمایا: ایک اقامتِ صلٰوۃ کا جو بدنی عبادات میں سے سب سے اہم ہے۔ دوسرے ایتائے زکٰوۃ کا جو مالی عبادات میں سے سب سے اہم بھی ہے اور سود کی عین ضد بھی۔ اسلام کے معاشی نظام کو اگر انتہائی مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس کے دو ہی اجزاء ہیں: ایک سلبی دوسرا ایجابی۔ سلبی پہلو نظام سود کا استیصال ہے اور ایجابی پہلو نظامِ زکٰوۃ کی ترویج۔

(398) یہاں ہم سود سے متعلق چند اَحادیث بیان کرتے ہیں :

(1) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، تحریر لکھنے والے اور گواہوں، سب پر لعنت کی اور فرمایا وہ سب (گناہ میں) برابر ہیں (مسلم: کتاب البیوع، باب لعن آکل الربوا و موکلہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سود لینے اور دینے والوں کے علاوہ بنکوں کا عملہ بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔

(2) آپ ﷺ نے فرمایا: "(سود کے گناہ کے) اگر ستر حصے کئے جائیں تو اس کا کمزور حصہ بھی اپنی ماں سے زنا کے برابر ہے" (ابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ: کتاب البیوع، باب الربا، فصل ثالث)

(3) آپ ﷺ نے فرمایا: "سود کا ایک درہم جو آدمی کھاتا ہے اور وہ اس کے سودی ہونے کو جانتا ہے تو وہ گناہ میں چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے" (مسند احمد، دارمی، بحوالہ مشکوۃ: کتاب البیوع، باب الربا، فصل ثالث)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے کئی گناہ ایسے ہیں جو سود سے بھی بہت بڑے ہیں۔ مثلاً شرک، قتل ناحق اور زنا وغیرہ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی وعید اللہ تعالیٰ نے صرف سود کے متعلق سنائی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کسی اور گناہ کے متعلق استعمال نہیں فرمائے تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سود اسلامی تعلیمات کا نقیض اور اس سے براہِ راست متصادم ہے اور اس کا حملہ بالخصوص اسلام کے معاشرتی اور معاشی نظام پر ہوتا ہے۔ اسلام ہمیں ایک دوسرے کا بھائی بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ آپس میں مروّت، ہمدردی، ایک دوسرے پر رحم اور ایثار کا سبق سکھلاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ساری زندگی صحابہ کرامؓ کو اُخوت و ہمدردی کا سبق دیا اور ایک دوسرے کے جانی دشمن معاشرے کی، وحی الٰہی کے تحت اس طرح تربیت فرمائی کہ وہ فی الواقع ایک دوسرے کے بھائی بھائی اور مونس و غمخوار بن گئے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک احسانِ عظیم شمار کرتے ہوئے قرآن میں دو مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے: (سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں اور سورۂ انفال کی آیت ۶۳ میں) اور یہ چیز رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ماحصل تھا۔ جبکہ سود انسان میں ان سے بالکل متضاد رذیلہ صفات مثلاً بخل، حرص، زر پرستی اور شقاوت پیدا کرتا ہے۔ اور بھائی بھائی میں منافرت پیدا کرتا ہے جو اسلامی تعلیم کی عین ضد ہے۔

دوسرے یہ کہ اسلام کے معاشی نظام کا تمام تر ماحصل یہ ہے کہ دولت گردش میں رہے اور اس گردش کا بہائو امیر سے غریب کی طرف ہو۔ اسلام کے نظامِ زکٰوۃ وصدقات کو اسی لئے فرض کیا گیا ہے اور قانونِ میراث اور حقوقِ باہمی بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ جبکہ سودی معاشرہ میں دولت کا بہائو ہمیشہ غریب سے امیر کی طرف ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی سود اسلام کے پورے معاشی نظام کی عین ضد ہے

(4) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ":لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جب ہر کوئی سود کھانے والا ہو گا۔ اگر سود نہ کھائے تو بھی اس کا بخار (اور (ایک دوسری روایت کے مطابق) اس کا غبار اسے ضرور پہنچ کے رہے گا"(نسائي: کتاب البیوع، باب اجتناب الشبهات في الكسب

اور آج کا دور بالکل ایسا ہی دور ہے۔ پوری دنیا کے لوگوں اور اسی طرح مسلمانوں کے رگ وریشہ میں بھی سود کچھ اس طرح سرایت کر گیا ہے، جس سے ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہو رہا ہے، آج اگر ایک مسلمان پوری نیک نیتی سے سود سے کلیتاً بچنا چاہے بھی تو اسے کئی مقامات پر اُلجھنیں پیش آتی ہیں۔ مثلاً آج کل اگر کوئی شخص گاڑی، سکوٹر، کار، ویگن، بس یا ٹرک خریدے گا تو اسے لازماً اس کا بیمہ کرانا پڑے گا۔ اگرچہ اس قسم کے بیمہ کی رقم قلیل ہوتی ہے اور یہ وہ بیمہ نہیں ہوتا جس میں حادثات کی شکل میں بیمہ کمپنی نقصان ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ تاہم ہمارے ہاں قانون یہ ہے کہ جب تک نئی گاڑی کا بیمہ نہ کرایا جائے وہ استعمال میں نہیں لائی جا سکتی اور اس قلیل رقم کی قسم کا بیمہ ہر سال کرانا پڑتا ہے۔ اور بیمہ کا کاروبار شرعاً کئی پہلوئوں سے ناجائز ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اسی طرح تاجر پیشہ حضرات بنک سے تعلق رکھے بغیر نہ مال برآمد کر سکتے ہیں اور نہ درآمد۔ان کے لئے آسان راہ یہی ہوتی ہے کہ وہ بنک سے ایل سی ((Letter of Credit یا اعتماد نامہ حاصل کریں۔اس طرح تمام درآمد اور برآمد کردہ مال سودی کاروبار سے متاثر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ تجارتی سود یا کمرشل انٹرسٹ (Commercial Intrest) کو جائز سمجھنے والے اور حمایت کرنے والے حضرات یہ حجت بھی پیش کیا کرتے ہیں کہ جب تمہارے گھر کی بیشتر اشیاء سودی کاروبار کے راستہ سے ہو کر تم تک پہنچی ہیں تو تم ان سے بچ کیسے سکتے ہو؟ تو اس قسم کے اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے سود کو ختم کرنا یا اس کی متبادل راہ تلاش کرنا حکومت کا کام ہے اور اگر حکومت یہ کام نہیں کرتی تو ہر مسلمان انفرادی طور پر جہاں تک سود سے بچ سکتا ہے، بچے اور جہاں وہ مجبور ہے وہاں اس سے کوئی موٴاخذہ نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا کیونکہ شریعت کا اُصول ہے کہ "موٴاخذہ اس حد تک ہے جہاں تک انسان کا اختیار ہے اور جہاں اضطرار ہے وہاں موٴاخذہ نہیں"

☆اسی طرح آج کے دور میں ایک اہم مسئلہ اپنی بچت یا زائد رقم کو کہیں محفوظ رکھنے کا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس غرض کے لئے گھروں سے بنک محفوظ تر جگہ ہے۔اور بنکوں میں تین طرح کے کھاتے چلتے ہیں : (i) چالو کھاتے Account Current، جن میں بنک لوگوں کی رقوم جمع کرتے ہیں، لیکن جمع کرنے والوں کو سود نہیں دیتے (ii) بچت کھاتے Saving Account ، جن پر بنک سود دیتا ہے لیکن تھوڑی شرح سے (iii) میعادی کھاتے Fixed Deposit Account یعنی ایسی رقوم کے کھاتے جو طویل اور مقررہ مدت کے لئے جمع کرائی جاتی ہیں۔ان پر بنک سود دیتا ہے۔اب ایک سود سے پرہیز کرنے والا شخص زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہے کہ وہ اپنی رقوم چالو کھاتہ میں جمع کرائے اور سود نہ لے۔ لیکن اس میں ایک اور اُلجھن پیش آتی ہے کہ بنک اس چالو کھاتہ کی رقوم کو بھی سود پر دیتا ہے اور سودی کاروبار کرتا ہے۔ لہٰذا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بنک کے پاس سود کی رقم کیوں چھوڑی جائے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ : ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالعُدْوَانِ﴾ "یعنی گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو" لہٰذا بنک سے یہ رقم ضرور وصول کرلینی چاہئے مگر اسے اپنے استعمال میں نہ لایا جائے۔ بلکہ اسے محتاجوں اور غریبوں کو دے دیا جائے یا رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کردیا جائے اور اس سے ثواب کی نیت بھی نہ رکھی جائے۔ کیونکہ حرام مال کا صدقہ قابل قبول ہی نہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ تبدیلِ ید سے احکامِ شریعت بدل جاتے ہیں۔ مثلاً زید کے پاس جو سود کی

رقم ہے وہ اگر بکر کو صدقہ کردے یا ویسے بلانیت ثواب دے تو وہ اس کے لئے حرام مال نہیں ہوگا۔ للہذا روپیہ چالو کھاتے کے بجائے سودی کھاتے میں رکھنا چاہئے اور بنک سے سود بھی ضرور وصول کرنا چاہئے جو محتاجوں یا رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کردینا چاہئے (ii) یا کبھی بنک سے قرضہ لینے کی ضرورت پڑے تو اس سود کی جگہ یہ رقم ادا کردی جائے یا (iii) گورنمنٹ جو ناجائز ٹیکس عائد کرتی ہے ایسی مدات میں یہ سود کی رقم صرف کردی جائے۔

مگر جب ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ ساری مصلحتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ للہذا اس گندگی سے ہر صورت پر ہیز لازمی ہے اور ایسے نظریہ کی تہ میں یہی بات نظر آتی ہے کہ انسان چونکہ فطرتاً حریص واقع ہوا ہے للہذا مال کسی راہ سے بھی آتا نظر آئے اسے چھوڑنے کو اس کا جی نہیں چاہتا۔ مندرجہ بالا تین صورتوں میں سے پہلی صورت بظاہر مستحسن نظر آتی ہے مگر ہم ایسی مصلحت کے قائل نہیں جس کی دو وجوہ ہیں: پہلی یہ کہ جو شخص سود لینا شروع کردے گا اس گندگی سے کلیتاً کبھی پاک صاف نہ رہ سکے گا۔ بلکہ کچھ وقت گزرنے پر اس کے نظریہ میں لچک آنا شروع ہو جائے گی اور وہ خود "ومن وقع في الشبهات فقد وقع في الحرام" بن جائے گا۔ پس اس کا یہی رویہ اس کی اولاد میں منتقل ہوگا اور دوسری یہ کہ ہم اپنی ذات کی حد تک سود سے بچنے کی فکر کریں تو بھی بڑی بات ہے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ہم بنک میں رقم اس لئے جمع کرائیں کہ بنک اس سے سود کمائے بلکہ ہمارا مقصد صرف رقم کی حفاظت ہے اور وہ پورا ہو جاتا ہے۔

☆ایک اور اہم مسئلہ سرکاری، نیم سرکاری اور بعض تجارتی اداروں کے ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ کا ہے، اس فنڈ میں کچھ رقم تو ملازموں کی اپنی تنخواہ سے ماہوار وضع ہوتی اور جمع ہوتی رہتی ہے، ساتھ ہی سود در سود کے حساب سے جمع ہوتا رہتا ہے اور ملازمت سے سبکدوشی کے وقت اسے یہ ساری رقم یکمشت مل جاتی ہے، اس مسئلہ کو عموماً اضطراری سمجھا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ یہ حکومت یا اداروں کا یکطرفہ فیصلہ ہوتا ہے اور اسی بنا پر بعض علماء نے اسے ملازمت کی شرط اور اسے ملازم کے حق محنت میں شامل کرکے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات محض لاعلمی کی بنا پر کہی جاتی ہے اگر کوئی سود نہ لینا چاہے تو اسے کوئی مجبور نہیں کرتا۔ پراویڈنٹ فنڈ

کے معاہدہ فارم کی پشت پر جو شرائط لکھی ہوتی ہیں ان میں سے شق نمبر ۱۶ میں یہ بات وضاحت سے درج ہے کہ جو شخص سود نہ لینا چاہے اُسے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ضیاء الحق مرحوم نے اس کے متبادل حل کو قانونی شکل دے دی ہے۔ جو یہ ہے کہ جو شخص سود نہ لینا چاہے نہ لے اور اس کے عوض اسے کسی وقت بھی اپنی جمع شدہ رقم کا ۸۰ فیصد بطورِ قرضِ حسنہ مل سکتا ہے۔ جسے وہ بعد میں بالاقساط اپنی تنخواہ سے کٹوادیا کرے گا۔

☆ تیسرا اہم مسئلہ بنک کے شراکتی کھاتوں کا ہے جو صدر ضیاءالحق کی سود کو ختم کرنے کی کوشش کے نتیجہ میں معرضِ وجود میں آیا۔ بنک کی اصطلاحی زبان میں انہیں پی ایل ایس PLS یعنی (Profit Shares and Loss) کہتے ہیں۔ جس سے دیندار طبقہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ایسے لوگوں نے پی ایل ایس کھاتوں میں حساب منتقل کروالیا۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بھی بیع عینہ ہی کی ذرا وسیع پیمانے پر صورت اختیار کی گئی ہے۔ بیع عینہ میں حیلہ سازی کے ذریعہ سود کو بیع کی شکل دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کو نقد رقم کی ضرورت ہے اور وہ سود میں بھی ملوث نہیں ہونا چاہتا تو وہ "ب" سے کوئی چیز مثلاً گھوڑا پانچ ہزار روپے میں ایک سال کے وعدہ پر خریدتا ہے پھر ایک دو دن بعد "الف" وہی گھوڑا "ب" کے پاس ساڑھے چار ہزار روپے نقد میں فروخت کر دیتا ہے اور سال بعد "الف" کو پانچ ہزار روپے ادا کر دیتا ہے۔ اس طرح "الف" کو فوراً ساڑھے چار ہزار روپے میسر آ گئے اور "ب" کو ایک سال بعد ساڑھے چار ہزار روپے پر پانچ سو منافع مل گیا۔ جو دراصل اس رقم کا ایک سال کا سود ہے اور گھوڑے کی بیع کو درمیان میں لا کر اس سود کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بیع عینہ کہلاتی ہے۔ (موطأ امام مالک: کتاب البیوع، باب العینۃ) یہ خالص سود ہے اور "الف" اور "ب" دونوں گنہگار ہیں۔

شراکتی کھاتوں میں بھی ایسی ہی کاروائی کی جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شراکتی کھاتوں میں سود اور ڈسکاؤنٹ (Discount) کے بجائے مارک اَپ اور مارک ڈائون کی اصطلاحیں رائج کی گئی ہیں۔ شرح سود تو فیصد سالانہ ہوتی ہے جبکہ مارک اَپ فی ہزار فی یومیہ ہوتی ہے۔ جو مضارِب اور بنک کے درمیان سمجھوتے سے طے پاتی ہے اور یہ شرح تقریباً وہی بن جاتی ہے جو بنکوں میں فیصد سالانہ

رائج ہوتی ہے مثلاً زید مشینری کی خرید کے لئے بنک سے پچاس ہزار روپے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اب بنک یہ کرے گا کہ اس رقم کے عوض کاغذوں میں مشینری خود زید سے خرید لے گا اور اس پر متوقع منافع کا اندازہ کرکے "مارک اَپ" لگا کر زید سے یہ مارک اَپ بطورِ کرایہ اور ماہوار قسط ہر ماہ وصول کرتا رہے گا اور اگر زید مقررہ مدت کے اندر اصل زر بمعہ مارک اَپ بالا قساط ادا نہیں کر سکتا تو بنک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ مشینری کو فروخت کرکے اپنا سب کچھ کھرا کر لے۔ باقی جو بچے گا، وہ زید کا ہوگا۔ بنک کو مشینری کے حصول، اخراجات کے حصول، حصول کے دوران تلفی کا خطرہ، اس کی نگہداشت، اور وقت سے پہلے ناکارہ ہونے کی چنداں فکر نہیں ہوتی اور وہ ایسے تمام خطرات کی ذمہ داری زید پر ڈال دیتا ہے۔ اب آپ خود دیکھ لیجئے کہ مضاربت کی اس شکل کو اسلامی نظریہ بیع سے کس قدر تعلق ہے؟

معاملہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے بنک اپنے بنیادی ڈھانچہ کے لحاظ سے مالیاتی توسط کے ادارے ہیں، تجارتی اِدارے نہیں ہیں۔ وہ اپنا حق محنت سود یا یقینی منافع کی شکل میں وصول کرتے ہیں لیکن کاروباری خطرات کی ذمہ داری کسی قیمت پر لینا گوارا نہیں کرتے اور یہی بات سود اور تجارت کا بنیادی فرق ہے۔ لہٰذا جب تک ذہنی طور پر اس بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی گوارا نہیں کریں گے، سود اپنی نئی نئی شکلوں میں جلوہ گری کرتا رہے گا۔

☆ چوتھا اہم مسئلہ بیمہ کا ہے، سود کی طرح بیمہ نے بھی ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ پاکستان میں ۱۹۷۳ء سے پہلے بیمہ کا کاروبار پرائیویٹ کمپنیاں کرتی تھیں تاہم انہیں حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ ۱۹۷۳ء میں حکومت نے ان کو اپنی تحویل میں لے لیا اور سب کمپنیوں کو مدغم کرکے سٹیٹ لائف انشورنس کے نام سے اس کاروبار کو مزید فروغ بخشا۔ آج ہر سرکاری و نیم سرکاری ملازم نیز ہر صنعتی اور تجارتی ادارے کے ملازم کا بیمہ زندگی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کی موت یا حادثے کی صورت میں مقررہ رقم اس کے ان ورثاء کو ملتی ہے جو وہ خود تجویز کرتا ہے اور وہ رقم حکومت یا متعلقہ ادارہ ادا کرتا ہے۔ بیمہ پہلے تو صرف جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کا

ہوتا تھا، پھر زندگی کا بیمہ ہونے لگا۔ پھر انسان کے ایک ایک عضو کا الگ الگ بیمہ ہونے لگا اور آج کل تو بعض ذمہ داریوں مثلاً بچوں کی تعلیم اور شادی وغیرہ کا بھی بیمہ کیا جاتا ہے۔

بیمہ پالیسی کی وضاحت کا یہ موقع نہیں۔ مختصراً یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ اس میں سود کا عنصر بھی پایا جاتا ہے، جوئے کا بھی اور بیع غرر کا بھی کیونکہ بیمہ کی شرائط طے کرتے وقت نہ بیمہ دار کو یہ پتا ہوتا ہے کہ وہ کیا کچھ ادا کر سکے گا اور نہ بیمہ کمپنی کو یہ پتا ہوتا ہے کہ اسے کیا کچھ لینا پڑے گا۔ گویا عوضین میں سے کسی ایک عوض کی بھی تعیین نہیں ہو سکتی اور ایسی بیع ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ اسلام کے قانون میراث میں گڑبڑ پیدا کر دیتی ہے۔

بیمہ کمپنیوں کی طرف سے اکثر باہمی ہمدردی اور تکافل، تعاون کا خوبصورت اور بھرپور پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک خالص کاروباری ادارہ ہے جو سودی کاروبار سے بھی کئی گنا زیادہ منافع بخش ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ۱۹۷۸ء میں امریکہ کی بیمہ کمپنیوں کو اپنے بیمہ داروں سے ۹۸ ارب ڈالر کی رقم وصول ہوئی اور اس رقم میں سے صرف ۴ ارب ڈالر اپنے بیمہ داروں کو ادا (کئے۔ اس طرح ایک سال کے اندر ۹۴ ارب ڈالر کی رقم اپنے پاس جمع کر لی (روزنامہ "جنگ" مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۷۹ئ

اس کا حل یہی ہے کہ ہر شخص کو ہر طرح کے بیمہ سے بچنا لازم ہے، اور جہاں انسان مجبور ہو، وہاں ممکن ہے اللہ اسے معاف فرما دے۔

☆ پانچواں اہم مسئلہ انعامی بانڈز (Price Bonds) کا ہے۔ اس کاروبار کا بھی اور اس میں ملنے والے انعامات کا بھی آج کل عوام میں خوب چرچا ہے۔ یہ دراصل سود اور قمار کی مرکب شکل ہے اور یہ کاروبار حکومتی سطح پر کیا جاتا ہے۔ حکومت کو جب سرمایہ کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس ذریعہ سے سود کا نام لئے بغیر عوام سے روپیہ حاصل کرتی ہے۔ طریقہ کار یہ ہے کہ مثلاً آج کل

حکومتِ اسلامی جمہوریہ پاکستان نے ۵۰ روپے، ۱۰۰ روپے، ۵۰۰ روپے اور ۱۰۰۰ روپے کے بانڈ (سرکاری تمسکات) چھاپ رکھے ہیں جو کسی وقت بھی کسی بھی بنک سے کیش کرائے جا سکتے ہیں۔ اور عوام میں بھی ان کا لین دین ایسے ہی چلتا ہے جیسے کرنسی نوٹوں کا۔ ان پر نمبر بھی کرنسی نوٹوں کی طرح ہی طبع کئے جاتے ہیں۔ اب مثلاً جنوری ۱۹۹۵ء میں ۵۰ روپے والے بانڈ فروخت ہوتے رہتے ہیں تو فروری میں ۱۰۰ روپے والے فروخت ہوں گے، علیٰ ہذاالقیاس پھر ہر دو ماہ بعد ان کی قرعہ اندازی ہوتی ہے۔ ۵۰ روپے والوں کی مارچ میں اور ۱۰۰ روپے والوں کی اپریل میں ہو گی۔ اب جو نمبر قرعہ اندازی میں آئیں گے وہ جس شخص کے پاس ہوں گے وہ دکھا کر سٹیٹ بنک آف پاکستان یا قومی بچت کے کسی مرکز سے اعلان شدہ انعام حاصل کرے گا۔

یہ کاروبار چونکہ حکومت خود چلا رہی ہے۔ لہٰذا اسے خاصا فروغ حاصل ہوا ہے اور جن لوگوں کو حرام حلال کی کچھ تمیز نہیں وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ہر دو ماہ بعد جو انعامات تقسیم ہوتے ہیں وہ دراصل اس جمع شدہ رقم کا دو ماہ کا سود ہوتا ہے۔ جو سب حقداروں میں تقسیم کرنے کے بجائے بذریعہ قرعہ اندازی چند افراد کو دے دیا جاتا ہے اور عوام کو دھوکا دینے کی خاطر اس کاروبار میں سود کا نام انعام رکھ دیا گیا ہے اور بذریعہ قرعہ اندازی یہ انعام کسی کو عطا کرنا ہی میسر (جوا یا قمار) ہے۔ اور یہی کچھ لاٹری میں ہوتا ہے۔

یہ سودی کاروبار انہیں مشاغل میں منحصر نہیں۔ اگر بنک سودی کاروبار کرتے ہیں تو ڈاک خانہ والے بھی کرتے ہیں اور قومی بچت کے مراکز بھی۔ پھر اور بھی بہت سے سرکاری، نیم سرکاری اور نجی ادارے ہیں جو سود پر رقم لے کر اپنا کاروبار چلاتے ہیں اور لوگوں سے مختلف شکلوں میں سود وصول کرتے ہیں۔ آج کل اقساط پر اشیاء کی فروخت کا کاروبار بھی بہت رواج پا چکا ہے۔ اور یہ بات مال بیچنے والا اور لینے والا سب جانتے ہیں کہ ان اقساط میں سود کی رقم شامل ہوتی ہے اور اگر سرکاری واجبات یا بلوں کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے تو سرکاری اور نیم سرکاری ادارے جبراً اس پر سود وصول کرتے ہیں الغرض ہر طرف ہی فضا سود کے اثرات سے مسموم ہو چکی ہے۔

بایں ہمہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص سود سے بچنے کا پختہ عزم کرلے تو وہ سود سے بچ سکتا ہے۔ البتہ اگر کوئی نا قابل علاج چیز ہے تو وہ انسان کی ہوس ہے۔ اگر ایک تاجر دوسروں کی دیکھا دیکھی ایک لاکھ کے سرمایہ سے بنک کی ملی بھگت سے چار لاکھ کا کاروبار کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے اِضطرار کا نام کیوں دیتا ہے۔ اور اگر کوئی چیز درآمد کرتا ہے تو وہ پوری رقم پیشگی جمع کرا کر سود کے دھندے سے بچ بھی سکتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ اضطرار کہیں بھی نہیں ہوتا بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ حلال طریقے سے کمائی کم ہوتی ہے۔ صرف زیادہ کمائی کی خاطر سود میں ملوث ہونا، پھر اسے اضطرار کا نام دینا ڈھٹائی نہیں تو اور کیا ہے اور ایسے حیلوں بہانوں سے کمائی ہوئی ساری کی ساری دولت حرام ہو جاتی ہے۔ اور اگر حقیقتاً انسان کسی وقت مجبور ہو جائے تو وہ گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ وہ معاف فرما دے گا اور ایسا اضطرار صرف سود دینے میں ہی ہو سکتا ہے۔ لینے میں کبھی نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر سودی دھندا کرنے والے ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں تو بعض ادارے ایسے بھی موجود ہیں جو مضاربت اور شراکت کی بنیادوں پر لوگوں سے سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں۔ مثلاً جائنٹ سٹاک کمپنیاں اور کوآپریٹو سوسائٹیاں خالص تجارتی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہیں۔ ان کے حصص کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور کھلے بازار یہ حصص فروخت ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں آج بھی کئی ایسے دیانت دار اور دیندار تاجر موجود ہیں جو مضاربت کی شرائط پر رقم قبول کرتے ہیں اور وقتِ مقررہ پر طے شدہ شرائط کے مطابق منافع بھی ادا کرتے ہیں اور بوقتِ ضرورت اصل رقم بھی واپس کر دیتے ہیں۔ البتہ ایسے لوگوں کو تلاش ضرور کرنا پڑتا ہے مگر ناپید نہیں ہیں۔ لہٰذا ہر شخص کو لازم ہے کہ وہ بہر صورت اس جرم عظیم سے اجتناب کرے۔

(399) اللہ تعالیٰ نے معاشرہ کو سودی نظام سے نجات حاصل کرنے کی بہترین ترکیب خود ہی بتادی جو یہ تھی کہ اس حکم کے نزول کے بعد کوئی سود پر قرض دینے والا صرف اپنا اصل زر ہی وصول کرنے کا حقدار ہوگا اور سود کا مطالبہ کر کے مقروض پر ظلم نہیں کرے گا۔ اسی طرح مقروض کو اصل زر ضرور قرض خواہ کو ادا کرنا ہوگا۔ وہ اصل زر بھی یا اس کا کچھ حصہ دبا کر قرض خواہ پر ظلم نہیں کرے گا۔

یہ ہیں وہ آیات جنہیں آیاتِ ربا کہا جاتا جن کے مطابق سود کو کلیتاً حرام قرار دیا گیا اور یہ سورۂ بقرہ میں سب سے آخر میں بلکہ آپ ﷺ کی وفات سے صرف چار ماہ پیشتر نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "جب سورۂ بقرہ کی سب سے بعد نازل ہونے والی آیات سود کے بارے میں نازل ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں جا کر ان آیتوں کو سنایا۔ پھر شراب کی سوداگری بھی حرام کردی" (بخاری: کتاب التفسیر زیر آیاتِ مذکورہ) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا: "آیاتِ ربا قرآن کی ان آیات سے ہیں، جو آخر زمانہ میں نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ پیشتر اس کے کہ تمام اَحکام ہم پر واضح فرماتے۔ لہٰذا تم سود کو بھی چھوڑ دو (اور ہر اس چیز کو بھی جس میں سود کا شائبہ ہو" (ابن ماجہ، دارمی، بحوالہ مشکوٰۃ: کتاب البیوع، باب الربا، فصل ثالث

ان آیات کے نزول کے چند ہی دن بعد آپ ﷺ نے حجۃ الوداع ادا کیا اور اس حکم کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں یوں اعلان فرمایا کہ ": جاہلیت کے تمام سود باطل قرار دیئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود یعنی عباس بن (عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں" (مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ

شراب کی طرح سود بھی دراصل عرب معاشرہ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور اس کا استیصال بھی بتدریج ہوا۔ سود کی مذمت میں سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۹ ہے جس میں یہ بتلایا گیا کہ "جو رقم تم سود پر دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اَموال بڑھ جائیں تو ایسا مال، اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا" دوسری آیت سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳۰ ہے جس میں کہا گیا کہ: اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" (یعنی سود مرکب) پھر اس کے بعد سورۂ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ جن کے بعد سود ایک فوجداری جرم بن گیا اور عرب کے سود خور قبیلوں کو آپ ﷺ نے عمال کے ذریعے آگاہ فرمایا کہ اگر وہ سودی لین دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔

(400) مقروض کو مہلت دینے یا اسے معاف کر دینے میں جو بہتری ہے وہ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتی ہے؟

(1) حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ: "جس شخص کو یہ بات محبوب ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی سختیوں سے نجات دے، اسے چاہئے کہ تنگدست کو مہلت دے یا پھر اسے معاف کر دے" (مسلم: کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب فضل إنظار المعسر)

(2) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جس شخص کے ذمہ کسی کا قرضہ ہوا اور مقروض ادائیگی میں تاخیر کرے تو قرض خواہ کے لئے ہر دن کے عوض صدقہ ہے" (احمد بحوالہ مشکوۃ: کتاب البیوع، باب الافلاس والانظار، فصل ثالث)

(3) آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا معاف کر دے، قیامت کے دن اللہ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا" (طویل حدیث سے اقتباس) (مسلم: کتاب الزھد، باب حدیث جابر وقصۃ أبي بسیر)

اور اگر مقروض تنگدست ہو اور قرض خواہ زیادہ ہوں تو اسلامی عدالت قرض خواہ یا قرض خواہوں سے مہلت دلوانے یا قرض کا کچھ حصہ معاف کرانے کی مجاز ہوتی ہے۔ (اس صورت حال کو ہمارے ہاں دیوالیہ کہتے ہیں اور عربی میں اِفلاس اور تفلیس) چنانچہ حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ میں ایک شخص کو پھل کی خرید و فروخت میں نقصان ہوا اور اس کا قرضہ بہت بڑھ گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: "اس پر صدقہ کرو" لوگوں نے صدقہ کیا، پھر بھی اتنی رقم نہ ہو سکی جو قرضے پورے کر سکے۔ آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا: جو کچھ (قرضہ کی نسبت سے) تمہیں ملتا ہے لے لو اور تمہارے لئے یہی کچھ ہے" (مسلم: کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب وضع الجوائح)

اور عبداللہ بن کعبؓ کہتے ہیں کہ (میرے باپ) کعبؓ بن مالک نے عبداللہ بن ابی حدرد سے مسجدِ نبوی میں اپنے قرض کا تقاضا کیا۔ دونوں چلانے لگے۔ آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تھے۔ ان دونوں کی آوازیں سنیں تو آپ ﷺ حجرے کا پردہ اٹھا کر برآمد ہوئے اور کعب کو پکارا۔ کعبؓ نے کہا: "حاضر یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے اشارے سے فرمایا": آدھا قرض چھوڑ دو" کعب کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے چھوڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ابو حدرد سے فرمایا: اٹھ اور اس کا قرض ادا کر" (بخاری: کتاب الخصومات، باب کلام الخصوم بعضھم فی بعض نیز کتاب الصلوٰۃ، باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد)

ہاں اگر کوئی قرض خواہ مقروض کے ہاں اپنی چیز (جس کی مقروض نے قیمت ابھی اَدا نہ کی تھی) بجنسہ پالے تو وہ اس کی ہو گی۔ (بخاری: کتاب فی الاستقراض، باب من وجد مالہ عند مفلس نیز مسلم: کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب من اَدرک مالہ ...)

دیوالیہ کی صورت میں اسلامی عدالت مقروض کی جائداد کی قرقی کر سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت کعب بن مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا تھا اور وہ مال ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے فروخت کیا گیا۔ (رواہ دار قطنی وصحّحہ الحاکم وأخرجہ، أبو داود مرسلاً)

البتہ درج ذیل اشیاء قرقی سے مستثنیٰ کی جائیں گی: (1) مفلس کے رہنے کا مکان، (2) اس کے اور اس کے اہل خانہ کے پہننے والے کپڑے، (3) اگر تاجر ہے تو باردانہ اور محنت کش ہے تو اس کے کام کرنے کے اَوزار، (4) اس کے اور اس کے اہل خانہ کے کھانے پینے کا سامان اور گھر کے برتن وغیرہ (فقہ السنۃ، ج ۳ ص ۴۰۸)

(401) یہ قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے جس میں اُدھار سے تعلق رکھنے والے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی ہدایات دی جارہی ہے۔ مثلاً جائیدادوں کے بیع نامے، بیع سلم کی تحریر یا ایسے تجارتی لین دین کی تحریر جس میں پوری رقم یا اس کا کچھ حصہ ابھی قابل ادائیگی ہو۔ تاکہ بعد میں اگر کوئی نزاع پیدا ہو تو یہ تحریر شہادت کا کام دے سکے اور یہ حکم استحباباً ہے، واجب نہیں۔ چنانچہ اگر فریقین میں باہمی اعتماد اتنا زیادہ ہو کہ باہمی نزاع کی صورت کا اِمکان ہی نہ ہو یا محض قرض کا معاملہ ہو اور اس طرح موثق تحریر سے کسی فریق کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہو تو محض یادداشت کے لئے کوئی فریق اپنے پاس ہی لکھ لے تو یہ بھی کافی ہو سکتا ہے۔

(402) ہمارے ہاں آج کل ایسی تحریروں کے سند یافتہ ماہرین موجود ہیں جنہیں وثیقہ نویس کہا جاتا ہے۔ وثیقہ نویس تقریباً انہی اصولوں کے تحت سرکاری کاغذات پر ایسے معاہدات لکھ دیتے ہیں اور چونکہ یہ ایک مستقل فن اور پیشہ بن چکا ہے۔ لہٰذا ان کے انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ معاملہ میں کوئی قانونی سقم ہو۔

(403) یعنی معاہدہ کی اِملا اس شخص کو کروانی چاہئے جو مقروض ہو کیونکہ ادائیگی کا بار اس کے سر پر ہے۔ ہاں اگر وہ لکھوانے کی پوری سمجھ نہیں رکھتا تو اس کا ولی (سرپرست) اس کے وکیل کی حیثیت سے اس کی طرف سے لکھوا سکتا ہے۔ یہ ولی اس کا کوئی رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے اور غیر رشتہ دار بھی۔ جو سمجھدار ہو اور مقروض کا خیر خواہ ہو یا معروف معنوں میں وکیل بھی ولی کی حیثیت سے املا کروا سکتا ہے۔

(404) تحریر کے بعد اس تحریر پر دو ایسے مسلمان مردوں کی گواہی ہونا چاہئے جو معاشرہ میں قابل اعتماد سمجھے جاتے ہوں۔ اور اگر معاملہ ذمیوں کے درمیان ہو تو گواہ ذمی بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اگر بوقت تحریر دو مسلمان قابل اعتماد گواہ میسر نہ آئیں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی گواہ بن سکتی ہیں۔ اور اگر ایک بھی مرد میسر نہ آئے تو چار عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں۔ اور گواہی کا یہ نصاب صرف مالی

معاملات کے لئے ہے... مثلاً زنااور قذف کے لئے چار مردوں ہی کی گواہی ضروری ہے۔ چوری اور نکاح وطلاق کے لئے دومردوں ہی کی گواہی ہوگی۔ اِفلاس (دیوالیہ) کے لئے اس قبیلے کے تین مردوں کی، رئویت ہلال کے لئے صرف ایک مسلمان کی اور رضاعت کے ثبوت کے لئے صرف ایک متعلقہ عورت (دایہ) ہی گواہی کے لئے کافی ہوتی ہے۔

(405) اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر رکھی گئی ہے اور حدیث کی رو سے یہ عورتوں کے نقصانِ عقل کی بنا پر ہے۔ اور دوسرے یہ کہ زبانی گواہی کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب اس معاملہ کی ایسی جزئیات میں نزاع پیدا ہو جائے جنہیں تحریر میں نہ لایا جاسکا ہو اور معاملہ عدالت میں چلا جائے۔ ورنہ تحریر تو کی ہی اس لئے جاتی ہے کہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔ اور شہادتیں پہلے سے ہی اس تحریر پر ثبت کی جاتی ہے۔

جب سے اہل مغرب نے مساواتِ مردوزن کا نعرہ لگایا ہے اور جمہوری نظام نے عورت کو ہر معاملہ میں مرد کے برابر حقوق عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت سے اس آیت کے اس جملہ کو بھی مسلمانوں ہی کی طرف سے تاویل وتضحیک کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر کر کے اسلام نے عورتوں کے حقوق کی حق تلفی کی ہے۔ پاکستان میں اَپوا کی مغرب زدہ مہذب خواتین نے بڑی دریدہ دہنی سے کام لیا اور اس کے خلاف ان عورتوں نے جلوس نکالے اور بینر لکھوائے گئے کہ اگر عورت کا حق مرد سے نصف ہے تو فرائض بھی نصف ہونے چاہئیں۔ عورتوں پر اڑھائی نمازیں، پندرہ روزے اور نصف حج فرض ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ طبقہ اڑھائی نمازیں تو درکنار ایک نماز بھی پڑھنے کا روادار نہیں۔ وہ خود اسلام سے بیزار ہیں ہی، ایسے پراپیگنڈے سے ایک تو وہ حکومت کو مرعوب کرنا چاہتی ہیں کہ وہ ایسا کوئی قانون نہ بنائے جس سے عورت کی حق تلفی ہوتی ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ دوسری سادہ لوح مسلمان عورتوں کو اسلام سے برگشتہ کر سکیں۔

حالانکہ یہاں حقوق و فرائض کی بحث ہے ہی نہیں۔ آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے۔ اس میں نہ عورت کے کسی حق کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ اس کی تحقیر ہوتی ہے۔ بات صرف نسیان کی ہے اور وہ بھی اس جزئیات میں جو تحریر میں آنے سے رہ گئی ہوں۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت بھول سکتی ہے تو کیا مرد نہیں بھول سکتا۔ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ اسلامی قانون عام حالات کے مطابق وضع کئے گئے ہیں اور ان کا واضع خود اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی مخلوق کی خامیوں اور خوبیوں سے پوری طرح واقف ہے۔ عورت پر حیض، نفاس اور حمل اور وضع حمل کے دوران کچھ ایسے اوقات آتے ہیں جب اس کا دماغی توازن برقرار نہیں رہ سکتا۔ اور حکمائے قدیم و جدید سب عورت کی ایسی حالت کی تائید و توثیق کرتے ہیں۔ ان مغرب زدہ خواتین کا یہ اعتراض بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ مرد اپنی جسمانی ساخت اور قوت کے لحاظ سے عورت سے مضبوط ہوتا ہے۔ لہٰذا حمل اور وضع حمل کی ذمہ داریاں مرد پر ڈالنا چاہئے تھیں نہ کہ عورت پر جو پہلے ہی مرد سے کمزور ہے۔

اور اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عورت اپنی اصل کے لحاظ سے ایسی عدالتی کاروائیوں سے سبکدوش قرار دی گئی ہے۔ اب یہ اسلام کا اپنا مزاج ہے کہ وہ عورت کو گھر سے باہر کھینچ لانے کو پسند نہیں کرتا۔ جبکہ موجودہ مغربی تہذیب اور نظامِ جمہوریت اسلام کے اس کلیہ کی عین ضد ہے۔ عورت کی گواہی کو صرف اس صورت میں قبول کیا گیا ہے جب کوئی دوسرا گواہ میسر نہ آسکے اور اگر دوسرا گواہ میسر آجائے تو اسلام عورت کو شہادت کی ہرگز زحمت نہیں دیتا۔

عورت کے اسی نسیان کی بنا پر فوجداری مقدمات میں اس کی شہادت قابل قبول نہیں کیونکہ ایسے مقدمات میں معاملہ کی نوعیت سنگین ہوتی ہے۔ مالی معاملات میں عورت کی گواہی قبول تو ہے لیکن دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر رکھا گیا ہے۔ اور عائلی مقدمات میں چونکہ زوجین ملوث ہوتے ہیں اور وہ ان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے جہاں نسیان کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے مقدمات میں میاں بیوی دونوں کی گواہی برابر نوعیت کی ہوگی اور وہ معاملات جو بالخصوص عورتوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ وہاں عورت کی گواہی کو مرد

کے برابر ہی نہیں بلکہ معتبر قرار دیا گیا ہے مثلاً مرضعہ اگر رضاعت کے متعلق گواہی دے تو وہ دوسروں سے معتبر سمجھی جائے گی، خواہ یہ دوسرے کوئی عورت ہو یا مرد ہو۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں نہ عورت کی تحقیر بیان ہوئی ہے اور نہ کسی حق کی حق تلفی کی گئی ہے بلکہ رزّاقِ عالم نے جو بھی قانون عطا فرمایا ہے وہ کسی خاص مصلحت اور اپنی حکمت کاملہ سے ہی عطا فرمایا ہے اور جو مسلمان اللہ کی کسی آیت کی تضحیک کرتا یا مذاق اڑاتا ہے اسے اپنے ایمان کی خیر منانا چاہئے اور ایسے لوگوں کو اسلام سے منسلک رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دل سے تو وہ پہلے ہی اللہ کے باغی بن چکے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام کو کافروں سے بھی زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔

(406) یعنی جب نزاع کی صورت پیدا ہو کر معاملہ عدالت میں چلا جائے اور انہیں زبانی گواہی دینے کے لئے بلایا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ بات کتمانِ شہادت کے ذیل میں آتی ہے جو گناہِ کبیرہ ہے۔

(407) اس جملہ میں انسان کی ایک فطری کمزوری کو واضح کیا گیا ہے جو یہ ہے کہ فریقین خواہ کس قدر قابلِ اعتماد ہوں اور ان میں نزاع کی توقع بھی نہ ہو اور معاملہ بھی خواہ کوئی چھوٹا سا ہو تاہم بھول چوک اور نسیان کی بنا پر فریقین میں نزاع یا بدظنی پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا باقاعدہ دستاویز نہ سہی فریقین کو یا فریقین میں سے کسی ایک کو یادداشت کے طور پر ضرور لکھ لینا چاہئے۔

(408) یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جبکہ لین دین کا کوئی اہم معاملہ ہو اور لین دین کرنے کے بعد بھی اس میں نزاع کا احتمال موجود ہو۔

(409) اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں... مثلاً ایک یہ کہ کسی شخص کو کاتب بننے یا گواہ بننے پر مجبور نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ کاتب یا گواہ کی گواہی اگر کسی فریق کے خلاف جاتی ہے تو انہیں تکلیف نہ پہنچائے جیسا کہ آج کل مقدمات میں اکثر ایسا ہوتا ہے اور فریق مخالف گواہوں کو یا وثیقہ نویس کو اس قدر دھمکیاں اور تکلیفیں دینا شروع کر دیتا ہے کہ وہ گواہی نہ دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں یا پھر غلط گواہی دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور تیسری صورت انہیں نقصان پہنچانے کی یہ ہے کہ انہیں عدالت میں بلایا تو جائے لیکن انہیں آمدورفت اور کھانے پینے کا خرچہ تک نہ دیا جائے۔

(410) رہن کے مطالبہ کی چار ممکنہ صورتیں ہیں... مثلاً سفر ہو یا حضر ہو اور کاتب نہ مل رہا ہو، دو تو یہ ہوئیں اور دو یہ ہیں کہ سفر یا حضر دونوں جگہ کاتب مل سکتا ہے مگر قرض دینے والا محض تحریر پر اعتماد نہیں کرتا اور اپنے قرضہ کی واپسی کی ضمانت کے طور پر رہن کا بھی مطالبہ کرتا ہے اور یہ کہ رہن خواہ تحریر کے ساتھ ہو یا تحریر کے بغیر صرف رہن ہو۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی (ابو شحم) سے ادھار اناج خریدا (تیس صاع جو، اپنی خانگی ضرورت کے لئے) اور آپ ﷺ نے اپنی زرہ بطورِ رہن اس کے پاس رکھی تھی (بخاری: کتاب الرہن، باب فی الرہن فی الحضر) اور یہ رہن حضر میں تھا اور بلا تحریر تھا۔ چنانچہ ان چاروں صورتوں میں رہن جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو ان میں سے صرف ایک صورت کا ذکر فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو فیاضی کی تعلیم دینا چاہتا ہے اور یہ بات بلند اخلاق سے فروتر ہے کہ ایک آدمی مال رکھتا ہو اور وہ دوسرے ضرورت مند کی کوئی چیز رہن رکھے بغیر اسے قرض نہ دے۔

رہن سے متعلق درج ذیل مسائل سمجھ لیجئے:

1- مرہونہ چیز کے نفع ونقصان کا ذمہ دار راہن (اصل مالک) ہی ہوتا ہے اور مرتہن (جس کے پاس رہن رکھی گئی ہو) کے پاس وہ چیز بطورِ امانت ہوتی ہے مثلاً زید نے بکر کے پاس گائے رہن رکھی تھی۔ وہ گائے مرگئی یا چوری ہوگئی تو یہ نقصان زید کا ہوگا، بکر کا نہیں۔ اسی طرح اگر گائے نے بچہ جنا تو گائے اور بچہ دونوں زید کے ہوں گے، بکر کے نہ ہوں گے۔ چنانچہ سعید بن مسیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "گروی رکھنا کسی مرہونہ چیز کو اس کے اصل مالک سے نہیں روک سکتا۔ اس کا فائدہ بھی اسی کے لئے ہے اور اس کا نقصان بھی اسی پر ہے" (مشکوٰۃ: کتاب البیوع، باب السّلم والرہن، فصل ثانی)

2- چونکہ مرہونہ چیز مرتہن کے پاس بطورِ امانت ہوتی ہے، اس لئے وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً مکان ہے تو اس میں رہ نہیں سکتا نہ کرایہ پر دے سکتا ہے، زمین ہے تو اس میں کاشت نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ سود ہوگا۔ الا یہ کہ وہ ایسا فائدہ راہن کے حوالہ کر دے یا اصل قرضہ کی رقم سے وضع کرتا جائے۔

3- مگر جن چیزوں پر مرتہن کو کچھ خرچ بھی کرنا پڑے تو ان سے فائدہ اٹھانے کا بھی حقدار ہوگا۔ مثلاً مرہونہ چیز گائے ہے تو اسے چارہ وغیرہ ڈالنے کے عوض اس کا دودھ بھی استعمال کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مرہونہ جانور کی پیٹھ سواری کے لئے شیر دار مرہونہ جانور کا دودھ پینے کے لئے، اس کے اخراجات کے عوض جائز ہے۔ اور جو شخص سواری کرتا یا دودھ پیتا ہے تو اسی کے ذمہ اس کا خرچہ ہے" (بخاری: کتاب الرہن، باب الرہن مرکوب ومحلوب)

یعنی قرض خواہ کا قرضہ یا جو چیز اس نے لی ہو۔ (411)

(412) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خبر دار کرتے ہوئے فرمایا: سن لو! "بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست ہو تو سارا جسم ہی درست ہوتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا جسم ہی بگڑ جاتا ہے۔ یاد رکھو! وہ ٹکڑا (انسان کا) دل ہے" (بخاری: کتاب الِایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کا کام کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے پھر اگر انسان توبہ کر لے تو وہ نقطہ دُھل جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے بلکہ مزید گناہ کئے جائے تو وہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے سارے دل کو گھیر لیتا ہے اور اسے سیاہ کر دیتا ہے۔ (مسلم: کتاب الِایمان، باب رفع الأمانۃ والِایمان من بعض الذنوب...)

گویا پہلے گناہ دل پر اثر انداز ہوتے ہیں اور نیت میں فتور آتا ہے پھر وہ گناہ کا کام صادر ہوتا ہے۔ پھر ایک ایسا وقت آتا ہے جب انسان کا دل پوری طرح سیاہ ہو جاتا ہے اس وقت انسان کا دل اس کی سوچ اور فکر پر اثر انداز ہوتا ہے پھر وہ جو بات بھی سوچے گا غلط اور معصیت کی بات ہی سوچے گا۔ دل کی ایسی حالت کو اللہ تعالیٰ نے آثِم قلبہٗ سے تعبیر کیا ہے اور شہادت کو چھپانے والے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

(413) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر ہوا ہے (i): ملک، یعنی وہ ہر چیز کا مالک ہے، (ii) علم، یعنی اس کا علم اتنا وسیع ہے کہ دلوں کے راز تک جانتا ہے، (iii) اور یہی قدرت، یعنی اسے سزا دینے اور معاف کر دینے کے کلی اختیارات حاصل ہیں اور یہی تین صفات ذرا تفصیل کے ساتھ آیت اُلکرسی میں بیان کی گئی ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ عبادات اور معاملات سے متعلق جو بے شمار اَحکام دیئے گئے ہیں۔ مسلمان کو اس کی تعمیل میں نہ حیلوں بہانوں سے کام لینا چاہیئے اور نہ سینہ زوری اور ظلم و زیادتی سے۔ بلکہ اللہ سے ڈر کر اس کی مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کسی بھی ظاہری یا پوشیدہ اَمر میں انسان اس کی نافرمانی کر کے نجات نہیں پا سکتا۔

سورۂ آلِ عمران (2)

وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُم تُفلِحونَ ﴿﴾ وَاتَّقُوا النّارَ الَّتی أُعِدَّت لِلکٰفِرینَ ﴿﴾ یٰأَیُّھَا الَّذینَ ءامَنوا لا تَأکُلُوا الرِّبوٰا أَضعٰفًا مُضٰعَفَةً ﴿﴾ وَأَطیعُوا اللّٰہَ وَالرَّسولَ لَعَلَّکُم تُرحَمونَ ﴿﴾ وَسارِعوا إِلىٰ مَغفِرَةٍ مِن رَبِّکُم وَجَنَّةٍ عَرضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالأَرضُ أُعِدَّت لِلمُتَّقینَ ﴿﴾... سورۃ آل عمران

ترجمہ

اے ایمان والو! دگنا چوگنا کر کے سود [۱۱۸] مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم (آخرت میں) نجات پا سکو (۱۳۰) اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (۱۳۱) اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۲) اور اپنے پروردگار کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑ کر چلو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ ان خدا ترس لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے (۱۳۳)

(118) سود کی حرمت کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیات ۲۷۸۔۲۷۹ میں گزر چکا ہے۔ یہ آیت اس سے پہلے کی نازل شدہ ہے۔ جبکہ مسلمانوں کو سود کی قباحتوں سے متعارف کرانا اس سے نفرت دلانا اور اس کو یکسر چھوڑ دینے کے لیے ذہنوں کو ہموار کرنا مقصود تھا۔ اس مقام پر سود کے ذکر کی وجہِ مناسبت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنگِ اُحد میں ابتداءً مسلمان جو شکست سے دوچار ہوئے تو اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا وہ دستہ جو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں درّہ کی حفاظت پر مامور تھا، اس نے جب فتح کے آثار دیکھے تو مال کے طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال کی اصلاح کے لیے زر پرستی کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا کیونکہ سود کا خاصہ یہ ہے کہ وہ سود خور میں حرص و طمع، بخل و بزدلی، خود غرضی اور زر پرستی جیسی رذیل صفات پیدا کر دیتا ہے اور سود ادا کرنے والوں میں نفرت، غصہ، بغض و حسد جیسی صفات پیدا

ہو جاتی ہیں، اور ایسی صفات ایک اسلامی معاشرہ کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہیں اور جہاد کی روح کے منافی ہیں اور آخرت میں اُخروی عذاب کا سبب بنتی ہیں۔ انہیں وجوہ کی بنا پر سود کو بالآخر مکمل طور پر حرام قرار دیا گیا۔

سورۃالنساء (3)

﴿فَبِظُلمٍ مِنَ الَّذينَ هادوا حَرَّمنا عَلَيهِم طَيِّبٰتٍ أُحِلَّت لَهُم وَبِصَدِّهِم عَن سَبيلِ اللَّهِ كَثيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخذِهِمُ الرِّبوٰا وَقَد نُهوا عَنهُ وَأَكلِهِم أَموٰلَ النّاسِ بِالبٰطِلِ ۚ وَأَعتَدنا لِلكٰفِرينَ مِنهُم عَذابًا أَليمًا ﴿١٦١﴾﴾... سورۃالنساء

ترجمہ

یہودیوں کے اسی ظلم کی وجہ سے اور بہت سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں (۱۶۰) اور اس لئے بھی کہ وہ سود [۲۱۱] کھاتے تھے حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا نیز وہ لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھا جاتے تھے اور ایسے کافروں کیلئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے (۱۶۱)

(211) سود یہودیوں پر بھی حرام کیا گیا تھا۔ لیکن ان کے فقہاء نے کچھ اس طرح موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں کیں جن کی رو سے انہوں نے غیر یہود سے سود وصول کرنا جائز قرار دے لیا تھا (جیسا کہ آج کل مسلمانوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو فقہی موشگافیاں پیدا کر کے حربی کافروں سے سود لینا جائز سمجھتا ہے) پھر ان کی یہ سود خوری کی عادت فقط سود تک محدود نہ رہی بلکہ وہ کہتے تھے غیر یہودی کا مال جس طریقے سے ہڑپ کیا جا سکے، جائز ہے۔ یہود کی اس طرح کی حرام خواری کا ذکر اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے۔ گویا اس طرح وہ دوہرا جرم کرتے تھے: ایک حرام خواری، دوسرے اسے شریعت سے مستنبط مسئلہ قرار دے کر اسے جائز سمجھنا۔ گویا وہ اپنی اختراع کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ سود خوری سے انسان کی طبیعت پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ ہیں خود

غرضی، سنگ دلی، بخل اور مال سے غیر معمولی محبت اور اس کے بعد حرام طریقوں سے مال جمع کرنے کی فکر، سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۷۵ ﴿وَمِنهُم مَن اِن تَأمَنهُ بِدینارٍ لایُؤَدِّہٖ اِلَیکَ اِلّا مادُمتَ عَلَیہِ قائِمًا .. ﴾... سورۃ آل عمران" میں اللہ تعالٰی نے جو ایسے شخص کی مثال دی ہے کہ اگر اسے ایک دینار بھی دے بیٹھیں تو اس سے واپس لینا مشکل ہو جاتا ہے تو وہ اسی قسم کے مال کی محبت میں گرفتار آدمی کی مثال ہے۔ رہی دیانتدار آدمی کی مثال تو وہ ہر قوم اور ہر اُمت میں کچھ اچھے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ کم ہی ہوتے ہیں۔ یہودیوں میں ایسے لوگ وہ تھے جو سود خوری اور دوسرے ناجائز طریقوں کو فی الواقع حرام سمجھتے تھے۔ عبداللہ بن سلامؓ ایسے ہی شخص تھے۔ کسی نے ان کے پاس بارہ اوقیہ سونا بطورِ امانت رکھا تھا اور جب مالک نے اپنی امانت طلب کی تو فوراً ادا کر دی۔ اب ان کے مقابلہ میں ایک فخاص نامی یہودی تھا۔ کسی نے ایک اشرفی اس کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی، جب اس نے اس سے امانت طلب کی تو وہ مکر ہی گیا۔

سورۃ الروم (4)

وَماءاتَیتُم مِن رِبًا لِیَربُوا فی أَموٰلِ النّاسِ فَلا یَربوا عِندَ اللہِ ۖ وَماءاتَیتُم مِن زَکوٰۃٍ تُریدونَ وَجہَ اللہِ فَأُولـٰئِکَ ھُمُ المُضعِفونَ ﴿﴾ اللہُ الَّذی خَلَقَکُم ثُمَّ رَزَقَکُم ثُمَّ یُمیتُکُم ثُمَّ یُحییکُم ۖ ھَل مِن شُرَکائِکُم مَن یَفعَلُ مِن ذٰلِکُم مِن شَیءٍ ۚ سُبحـٰنَہُ وَتَعـٰلیٰ عَمّا یُشرِکونَ ﴿﴾... سورۃ الروم

ترجمہ

اور جو کچھ تم بطورِ سود دیتے ہو کہ لوگوں کے اموال سے تمہارا مال بڑھتا رہے تو ایسا مال اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا [۴۴] اور جو کچھ تم اللہ کی رضا چاہتے ہوئے بطورِ زکوٰۃ دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو دگنا چوگنا کر رہے ہیں (۳۹) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا،

روزی دی، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی بھی کام کر سکتا ہو۔ وہ پاک ہے اور جو کچھ وہ شرک ٹھہراتے ہیں اُن سے بالاتر ہے (۴۰)

(44) یہ پہلی آیت ہے جو سود کی مذمت کے سلسلہ میں نازل ہوئی، پھر سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۳۰ کی رو سے مسلمانوں کو سود در سود سے روک دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ کی وفات سے چار ماہ پیشتر سورۂ بقرہ کی آیات نمبر ۲۷۵ تا ۲۸۱ کی رُو سے مکمل طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔ چونکہ شراب کی طرح سود بھی اہل عرب کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ لہٰذا ایسی برائیوں کا کلی استیصال بتدریج ہی ممکن تھا۔

اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سود سے مال بڑھتا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کسی بھی معاشرہ میں دولت مندوں کی تعداد غریبوں کی تعداد کی نسبت بہت قلیل ہوتی ہے اور سود لینے والے دولت مند ہوتے ہیں اور دینے والے غریب اور محتاج۔ اب سود سے فائدہ تو ایک شخص اُٹھاتا ہے اور نقصان سینکڑوں غریبوں کا ہو جاتا ہے اور اللہ کی نظروں میں اس کی سب مخلوق یکساں ہے بلکہ اسے دولتمندوں کے مفاد سے غریبوں کے مفادات زیادہ عزیز ہیں۔ اور سود خور سود کے ذریعہ بے شمار غریبوں کا مال کھینچ کر انہیں مزید مفلس اور کنگال بنانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ تو اسی حقیقت کو اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ سود کے ذریعہ مال بڑھتا نہیں بلکہ گھٹتا ہے۔ یہ اس مسئلہ کا ایک پہلو ہوا اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ علم معیشت کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس معاشرہ میں دولت کی گردش جتنی زیادہ ہو گی، اتنا ہی وہ معاشرہ خوشحال ہو گا اور اس کی قومی دولت میں اضافہ ہو گا۔ اور اگر دولت کا بھاؤ غریب سے امیر کی طرف ہو گا تو یہ گردش بہت کم ہو جائے گی۔ کیونکہ امیر طبقہ کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی سود قومی معیشت پر تباہ کن اثر ڈالتا ہے۔ اور اگر دولت کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہو اور یہ بات صرف زکوٰۃ و صدقات کی صورت میں ہی ممکن ہوتی ہے، تو دولت کی گردش میں تیزی ہو جائے گی کیونکہ ایک تو غریبوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، دوسرے ان کی ضروریات محض پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے اَٹکی ہوتی ہیں۔ لہٰذا دولت کی گردش میں تیزی آنے کی وجہ سے ایک تو سارا معاشرہ خوشحال ہوتا جائے گا دوسری قومی معیشت پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي

الصَّدَقٰتِ... ﴿﴾... سورۃ البقرۃ "یعنی جس معاشرہ میں سود کا رواج ہو گا، اس میں برکت نہیں رہے گی، وہ بالآخر قلاش ہو جائے گا۔ غریب طبقہ کی تعداد دن بدن بڑھتی جائے گی اور وہ اپنا پیٹ پالنے کی خاطر امیر طبقہ پر جائز اور ناجائز طریقوں سے حملہ آور ہو کر ان کا مال ان سے چھین لے گا اور اس غرض کے لئے اگر اس کا کام چوری اور ڈاکہ، لوٹ مار سے چلتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ قتل و غارت سے بھی کبھی دریغ نہ کرے گا۔

اسلامی اِقتصادیات یا اسلامی نظامِ معیشت پر بڑی لمبی چوڑی تصانیف بازار سے دستیاب ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول صرف دو ہی ہیں: ایک ملک سے سود کا خاتمہ اور دوسرے اس کے بجائے نظامِ زکوٰۃ و خیرات کی ترویج۔ سود ہی وہ لعنت ہے جو نظامِ سرمایہ داری کی جان ہے۔ اس کے خاتمہ سے نظامِ سرمایہ داری کی جان اَز خود نکل جاتی ہے۔ رہی سہی کسر اسلام کا قانونِ میراث نکال دیتا ہے۔ سود کے خاتمہ کے بعد جب نظامِ زکوٰۃ و صدقات اس کی جگہ لے لیتا ہے تو طبقاتی تقسیم از خود ختم ہو جاتی ہے اور معاشرہ خوشحال بن جاتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے معاشیات کی کتابیں پڑھنے اور اس کے اُصول سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ صرف تجربہ کی ضرورت ہے اور تجربہ ہر انسان کم از کم اپنے خاندان میں کر کے اس کے ثمرات و برکات کو بچشم خود ملاحظہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ اتنے چھوٹے پیمانے پر سود کے خاتمہ اور زکوٰۃ و خیرات کی ترویج سے پورے ثمرات تو حاصل نہیں ہو سکتے۔ تاہم ایسے خاندان کی حالت پہلے سے بدرجہا بہتر ہو سکتی ہے۔ غریب کی امیر سے نفرت، حسد اور کینہ وغیرہ جیسے قبیح جذبات ماند پڑ جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ مروّت، ہمدردی اور اُخوت جیسی اعلیٰ قدریں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ جس سے ایک طرف تو معاشرہ میں کشیدگی کے بجائے محبت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے دولت کی ناہموار تقسیم میں خصوصی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جس سے معاشرہ کے ہر فرد کو کم از کم بنیادی ضروریات ضرور مہیا ہوتی رہتی ہیں۔

نوٹ: اس مضمون (تفسیر) میں قرآنی آیات کی کتابت اور ترجمہ بھی مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ کا ہے